کلامِ میرؔ میں صنعتِ تجنیس

ڈاکٹر محمد ساجد خان*

Abstract:

In this article, one of aspect of poetical craftsmanship emerging out the art of choosing words having phonetically resemblance or homo graphic effects giving birth to 'Sanat-e-Tajnees', has been discussed keeping in view of the poetry of Mir Taqi Mir.The writer has tried to establish the point that Mir had special longing for this art of expression and play of words. Not only Mir liked such Rhetoric but also considered it an essential part of great poetry. Tajnees is such a craft of words which has various types, forms or kinds. In this essay, all the prominent forms and kinds of Tajnees have been discussed and various examples have been given out of Mir's poetry. Though it is a dying art in our poetry but writer has tried to relive with this craft.

میر نے صنائع بدائع کو نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ ان کے استعمال کو اعلیٰ شاعری کی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور دوسرے شعرا کو ان کے استعمال کا مشورہ بھی دیا ہے۔ نکات الشعراء میں لکھتے ہیں:

''ششم انداز است کہ ما اختیار کردہ ایم محیط ہم صنعت ہاست تجنیس، ترصیع، تشبیہہ، صفائے گفتگو، فصاحت و بلاغت۔''[۱]

میر کو خدائے سخن سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کے فرمائے ہوئے کو مستند بھی مانا جاتا ہے۔ اگرچہ میرؔ سے پہلے کے شعرا کے کلام میں بھی صنائع بدائع موجود تھے، لیکن میرؔ سے قبل کسی شاعر نے ان کی موجودگی کا اس طرح

* شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

برملا اعتراف نہیں کیا۔ میؔر نے صرف نکات الشعرا میں اس بات کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ اپنے اشعار میں بھی بارہا صنعت گری کا اعتراف کیا ہے اور خود ''کو'صناع'' کہہ کر تفاخر کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً:

صناعِ طرفہ ہیں ہم عالم میں ریختے کے

جو میر جی لگے گا تو سب ہنر کریں گے (دیوان اول، ص ۳۵۹)

مندرجہ بالا اشعار پر نظر کرنے سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں رہ جاتا کہ میر دانستہ صنعت گری کرتے ہیں۔ یہ ان نقادوں کے لیے لمحۂ فکر یہ ہے جو صنائع بدائع کی مخالفت میں اس حد تک یک رُخے ہیں کہ انسان کو حیرت ہوتی ہے اور تنقید میں توازن کا دعویٰ کرنے والے ہر قسم کے توازن سے بے بہرہ نظر آتے ہیں۔ میر کے نزدیک تخلیق شعر کا سب سے بڑا محرک کسی صنائع کو بہترین انداز میں موزوں کرنا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ نہ صرف میر بلکہ اس عہد کے تمام شعراء کا تخلیق شعر کا یہی مطمع نظر تھا۔ یہ بات اگر چہ بہت سے ''سخن فہموں'' کو ناگوار گزرے گی، لیکن اساتذہ کے دواوین کا مطالعہ علم بدیع کی روشنی میں کیا جائے تو ان احباب کو بہت حیرانی ہوگی۔ ان پر کھلے گا کہ اردو شاعری کے تمام اساتذہ نے بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ صرف اور صرف صنائع کو موزوں کیا ہے اگر کوئی اردو شاعری کی روایت سے مطمئن ہے تو اسے صنائع کو بھی نہ صرف گوارا کرنا پڑے گا بلکہ ان میں دلچسپی بھی لینا پڑے گی۔ یہاں میں ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ اساتذہ کے کلام سے وہی شخص حظ اٹھا سکے گا جو مشرقی علوم یعنی عروض، بدیع، بیان اور معانی سے آگاہی رکھتا ہے۔ جو شخص ان علوم سے واقفیت نہیں رکھتا۔ اساتذہ کے کلام کا مطالعہ اس کے لیے تضیع اوقات ہوگا۔ میر کے کلام میں صنائع بدائع کی موجودگی کی طرف پروفیسر نذیر احمد (۲)، گوپی چند نارنگ (۳) اور مولانا عبدالسلام ندوی (۴) نے بڑا واضح اشارہ کیا ہے اور اس موقف کا اظہار کیا ہے کہ میر کے سارے دیوان صنائع بدائع سے بھرے ہوئے ہیں۔

علم بدیع کی کتابوں میں صنائع لفظی کی مثالوں میں عام طور پر غیر معروف شعرا کے اشعار درج ہیں مثلاً تجنیس کی بعض مشکل اقسام تام، مرفوء اور مرکب کی وہی مثالیں علم بدیع کے مرتبین نے نقل کر دی ہیں جو دیبی پرشاد نے معیار البلاغت اور نجم الغنی نے بحر الفصاحت میں درج کی ہیں۔ نئی اور تازہ مثالوں کی طرف علمائے بدیع کا دھیان کم گیا ہے اور اس کوتاہی نے قارئین کو بہت حد تک اس علم سے متنفر کر دیا ہے۔ متذکرہ بالا اقسامِ جناس کی جو مثالیں میر کے کلام سے اخذ کی گئی ہیں وہ ان روایتی مثالوں سے بدرجہا بہتر ہیں جو بدیع کی کتابوں میں بار بار دہرائی جاتی رہی ہیں۔ اسی طرح اگر سوؔدا، دردؔ اور نظیرؔ جیسے بڑے شعرا کے دواوین کھنگالے جائیں تو یقیناً ان صنائع کی بہتر مثالیں دستیاب ہوں گی جنہیں ایک عرصے سے مطعون کیا جا رہا ہے۔ اس بحث کا مقصد یہ ہے کہ کوئی صنعت بذاتِ

خود اچھی یا بُری نہیں ہوتی بلکہ کسی صنعت کا اچھا یا بُرا استعمال شاعر کی صلاحیت پر ہوتا ہے یقیناً بڑے شاعر کے کلام میں صنائع کا استعمال بھی کسی کمتر درجے کے شاعر کے مقابلے میں بہت بہتر اور شعریت سے بھر پور ہوتا ہے۔

حالیؔ، شبلی اور مسعود حسن رضوی ادیب نے خاص طور پر صنائع لفظی کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اس کا موردِ الزام لکھنوی شعراء کو ٹھہرایا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دبستانِ دلی کے سر خیل محمد تقی میر کے کلام میں صنائع کی غالب تعداد لفظی ہے یعنی میر صاحب کو لفظی صنائع سے بہت زیادہ شغف ہے اور ان کی یہ دلچسپی کسی بھی لکھنوی شاعر کے مقابلے میں کم نہیں۔ میر صاحب کے کلام میں صنائع لفظ و معنی کی تمام اقسام کی مثالیں اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر انہیں مرتب کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب بن جائے۔ تاہم ہم نے اس مضمون میں میرؔ کے کلام میں صنعتِ تجنیس کے مطالعے تک خود کو محدود رکھا ہے۔

تجنیس کے لفظی معنی ہیں دو لفظوں کو ایک جنس کا یا ایک جیسا بنا دینا۔ اصطلاح میں اس سے مراد ہے کہ کلام میں دو ایسے الفاظ لانا جو صورت، تلفظ یا کسی اور بِنا پہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوں مگر ان کے معنی مختلف ہوں صنعت تجنیس کہلاتی ہے۔

صاحبِ حدائق البلاغت لکھتے ہیں:

> ''تجنیس یا جناس کا یہ مطلب ہے کہ کلام میں دو لفظ ایسے لائے جائیں جو تلفظ میں ایک جیسے ہوں مگر ان کے معنی مختلف ہوں۔''[۵]

نجم الغنی نے بھی اس تعریف سے اتفاق کیا ہے:

> ''صنعت تجنیس یہ ہے کہ دو لفظ تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنی میں مغائر اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔''[٦]

صنعتِ تجنیس کی اقسام:

۱۔ تجنیس تام (مماثل و مستوفی)	۲۔ تجنیس مرکب	۳۔ تجنیس مرفوء
۴۔ تجنیس خطی	۵۔ تجنیس محرف	٦۔ تجنیس زائد و ناقص
۷۔ تجنیس مطرف	۸۔ تجنیس مذیل	۹۔ تجنیس مضارع
۱۰۔ تجنیس لاحق		

صنعتِ تجنیس تام:

صنعتِ تجنیس کی تمام اقسام میں تجنیس تام کو اعلیٰ مقام حاصل ہے اور اپنی خصوصیت کی بناء پر تمام اقسام

جناس میں اہم اور دلچسپ سمجھی جاتی ہے۔ صاحب بحر الفصاحت لکھتے ہیں:

''تجنیس تام یہ ہے کہ لفظ انواع حروف اور اعداد حروف اور ترتیب حروف اور حرکات و سکنات میں متفق اور معنی میں مختلف آئیں۔ صلاح الصفدری جنان الجناس میں کہتا ہے کہ جناس کامل اور جناس معنوی یہی ہے اور اس کا مرتبہ سب اقسامِ جناس میں اعلیٰ ہے۔''[۷]

صنعتِ تجنیس تام کی دو اقسام ہیں:

(i) تجنیس تام مماثل (ii) تجنیس تام مستوفی

اگر کلام میں دو الفاظ ایسے لائے جائیں جو انواع حروف اور اعداد و ترتیب کے علاوہ نوعیت یا نوع میں بھی مشترک ہوں تو تجنیس تام مماثل کہلائے گی۔ یعنی دونوں الفاظ یا تو اسم ہوں یا فعل اور یا پھر حرف۔ اگر دو الفاظ میں سے ایک اسم ہو اور دوسرا فعل یا ایک فعل ہو اور دوسرا حرف تو تجنیس تام مستوفی کہلائے گی۔

صاحب بحر الفصاحت نے تجنیس تام مماثل کی مثال میں جو اشعار درج کیے ہیں ان میں سے یہ شعر دیکھئے:

نیاز و ناز کے عالم میں سب اُن کے کڑے بولے
کہ پاؤں پڑ کے چھوٹو گے اگر تم یاں کڑے بولے (انشاء اللہ خان انشا)

پہلے کڑے زیور کا نام ہے اور دوسرے کڑے 'سخت' کے معنی میں ہے۔[۸]

سجاد مرزا بیگ نے اس صنعت کی مثال میں دو اشعار درج کیے ہیں، لیکن شاعر کا نام نہیں دیا۔ شاید موقع کی مناسبت سے خود کہہ کر شامل کر دیئے ہیں۔

باندھوں ہوں مضمون جو اپنی شور بختی کا کوئی
ہو زمینِ شعر میں عالم زمینِ شور کا
تم رات کو نہ آئے جو اپنے قرار پر
یہ ظلم تم نے کیا کیا اس بے قرار پر [۹]

اسی طرح تجنیس تام مستوفی کی مثال میں بھی نجم الغنی نے جو مثالیں درج کی ہیں ان میں سے یہ شعر دیکھئے:

کہا دل نے مرے دیکھی جو وہ مانگ
کہ ہے یہ رات آدھی کچھ دُعا مانگ (غالب)

تجنیس تام مستوفی کی مثال میں دیبی پرشاد نے امانتؔ کے دو شعر دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر

ملاحظہ کیجئے [۱۰]

آبداری سے جو مملو نظر آیا وہ گلا
رشک کی برف سے کیا جسم صراحی کا گلا (امانتؔ)

ڈاکٹر یعقوب عامر نے تام مستوفی کی مثال میں غالبؔ کا یہ شعر درج کیا ہے۔

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ جم جاہ نے دال
ہے لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال [۱۱]

کلامِ میر میں صنعتِ تجنیس تام مماثل کی مثالیں:

علم بدیع کی کتابوں میں تجنیس تام کی مثالیں زیادہ تر وہی ہیں جو نجم الغنی نے بحر الفصاحت میں درج کی ہیں۔ بعد میں علماء نے تازہ مثالیں ڈھونڈنے کی طرف رغبت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس صنعت کی مثال میں جو اشعار درج کیے جاتے رہے ہیں ان میں زیادہ تعداد ایسے اشعار کی ہے جو معنوی اور جمالیاتی حوالے سے پست درجہ کے ہیں۔ بعض اشعار پر تو یہ گمان گزرتا ہے کہ شاید یہ اشعار ضرورت کے تحت لکھ کر بدیع کی کتابوں میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لفظی صنائع بالخصوص تجنیس کو پست درجے کی صنعت سمجھا جانے لگا۔ ذیل میں میرؔ کے کلام سے صنعتِ تجنیس تام کی مثالیں درج کی جاتی ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ جب بڑا شاعر دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کسی صنعت کو کلام میں لاتا ہے تو وہ نہ صرف کلام میں حسن و خوبی کے پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے بلکہ خود صنعت کے اعتبار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

تنگ آیا ہوں میں رشکِ تنگ پوشی سے تری
اس تنِ نازک سے یہ جامے کو چسپاں اختلاط (دیوانِ اوّل، ص ۲۶۸)

پہلا لفظ تنگ بمعنی ''عاجز آنا'' اور دوسرا لفظ تنگ بمعنی ''سکڑا ہوا، بھینچا ہوا۔''

ایک سا عالم نہیں رہتا ہے اس عالم کے بیچ
اب جہاں کوئی نہیں یاں ایک عالم ہوگیا (دیوانِ دوم، ص ۴۲۳)

پہلا لفظ عالم ''حالت، صورت، درجہ'' دوسرا لفظ عالم ''دنیا'' اور تیسرا لفظ عالم بمعنی ''دنیا کے لوگ، مخلوق۔''

اس کی گلی میں آمد و شد کی گھات میں ہی ہم رہتے تھے
اب جو خستہ پا ہو بیٹھے ڈھب کرنے کے ڈھب موقوف (دیوانِ چہارم، ص ۶۹۷)

پہلا لفظ ڈھب بمعنی ''عادت، لپکا'' اور دوسرا لفظ ڈھب بمعنی ''موقعہ، صورت۔''

چپکے کھڑا ٹکڑے ہوتا ہوں ساری ہے اُلفت کی بات
تیغ نے اس کی کیا ہے قسمت یہ بھی ہے قسمت کی بات (دیوانِ پنجم، ص۷۵۲)

پہلا لفظ قسمت بمعنی ''حصہ، بخرہ، منقسم'' اور دوسرا لفظ قسمت بمعنی ''نصیب۔''

برسوں رہتے تھے راہ میں اس کی
تب کچھ اک اُس سے راہ کرتے تھے (دیوانِ ششم، ص۸۵۸)

پہلا لفظ راہ بمعنی ''راستہ'' دوسرا لفظ راہ بمعنی ''میل جول۔''

تجنیس تام مستوفی:

ہم آوازوں کو سیراب کی مبارک
پروبال اپنے بھی ایسے تھے پر تک (دیوانِ اوّل، ص۲۷۳)

پہلا لفظ ''پر'' اسم اور دوسرا ''پر'' ماضی۔

رکھتا تھا ہاتھ میں سررشتہ بہت سینے کا
رہ گیا دیکھ رَفو چاک مرے سینے کا (دیوانِ دوم، ص۴۵۷)

پہلا ''سینے''، فعل، دوسرا اسم۔

کیا میرؔ بس کرے ہے اب زاری آہ شب کی
دل آ گیا ہے اس کا ظالم کسو کے بس میں (دیوانِ سوم، ص۶۲۷)

پہلا ''بس''، متعلق فعل بمعنی موقوف، ختم اور دوسرا ''بس'' اسم بمعنی قابو اختیار۔

کل سے دل کی کل بگڑی ہے جی مارا بے کل ہو کر
آج لہو آنکھوں میں آیا دردِ غم سے رو رو کر (دیوانِ چہارم، ص۶۹۰)

پہلا کل اسم بمعنی ''آج سے پہلا دن جو گزر چکا ہے'' دوسرا کل محاورہ ہے ''کل بگڑ جانا'' بمعنی مزاج بگڑ جانا ہے اور تیسرے کل کا مطلب سکون و قرار ہے۔س

صنعتِ تجنیس مرکب:

کلام میں دو ایسے الفاظ لانا جن میں ایک مفرد ہو اور دوسرا مرکب یعنی دو کلموں سے حاصل کیا گیا ہو صنعتِ تجنیس مرکب کہلاتی ہے۔ نجم الغنی لکھتے ہیں:

''تجنیس کے ایک لفظ کو دو کلموں کی ترکیب سے حاصل کریں اور ایک لفظ مفرد ہو اور یہ

دو حال سے خالی نہیں اگر کتابت و خط موافق ہوں تو تجنیس مرکب متشابہ کہیں گے اور اگر خط و کتابت میں مخالف ہوں گے تو تجنیس مرکب مفروق بولیں گے۔''[۱۲]

حدائق البلاغت میں تجنیس مرکب کے بارے میں لکھا ہے:

''اگر کلام میں دو ہم شکل لفظ ایسے لائے جائیں کہ ایک ان میں سے مفرد ہو اور دوسرا مرکب تو اسے تجنیس مرکب متشابہ کہتے ہیں۔ مثلاً لفظ جانا ایک جگہ مصدر کے معنی میں مفرد ہے اور جا، نا بمعنی مت جا کے مرکب ہے

ع مت اُٹھا احسانِ دوناں دیکھ دوناں کے لیے

اس مصرعہ میں ''دُوناں'' بمعنی کمینے کے ہیں اور دونان بمعنی دو روٹیوں کے مرکب ہے۔''[۱۳]

آگے چل کہ صاحب حدائق البلاغت صنعتِ تجنیس مرکب کی دوسری قسم یعنی مرکب مفروق کے بارے میں لکھتے ہیں::

''کلام میں دو لفظ ایسے لائے جائیں جو بولنے میں یکساں ہوں، لیکن لکھنے میں یکساں نہ ہوں مثلاً لفظ رسّا بمعنی موٹی رسّی کے اور رَس سا بمعنی رَس جیسا کے۔''[۱۴]

نجم الغنی نے مرکب متشابہ کی مثال میں دو اشعار درج کیے ہیں ان میں سے یہ شعر دیکھئے۔[۱۵]

قاتل نے لگایا نہ میرے زخم پہ مرہم
حسرت یہ رہی جی ہی کی جی میں گئے مرہم (ایاز محمد خان بھوپالی)

اسی طرح دیبی پرشاد نے دو اشعار کی مثالیں درج کی ہیں جن میں سے یہ شعر دیکھئے:[۱۶]

جتنے مر مر گئے بتو تم پر
ان کے مرقد ہیں سنگ مرمر کے (ممدوحؔ)

صنعتِ تجنیس مرکب کی دوسری قسم ''مرکب مفروق'' کی مثال میں نجم الغنی نے جن اشعار کی مثال دی ہے ان میں سے یہ شعر ملاحظہ کیجئے:[۱۷]

کہا جی نے مجھے یہ ہجر کی رات
یقیں ہے صبح تک دے گی نہ جینے (ذوقؔ)

پہلے مصرع میں لفظ ''جی نے'' مرکب ہے اور دوسرے مصرعہ میں ''جینے'' لفظ مفرد ہے۔

علمِ بدیع کی کتابوں میں صنعتِ مرکب کی دونوں اقسام متشابہ اور مفروق کے تحت جو اشعار ملتے ہیں وہ وہی ہیں جو نجم الغنی نے بحر الفصاحت میں لکھ دیے ہیں۔ البتہ دیبی پرشاد نے جو مثالیں درج کی ہیں وہ اپنے عہد میں تازہ تھیں۔

کلامِ میرؔ میں صنعتِ مرکب متشابہ کی مثال:

گرچہ ہم پر بستہ طائر ہیں پر اے گل ہائے تر
کچھ ہمیں پروا نہیں ہے تم اگر پَر وا کرو (دیوان پنجم،ص۷۹۱)

پہلا لفظ ’پروا‘ مفرد ہے اور دوسرا ’’پرَ‘‘ اور ’’وا‘‘ یعنی پر کھولنا کے معنی میں مرکب ہے۔

کلامِ میر میں صنعتِ مرکب مفروق کی مثال:

کب تک رہیں گے یارب ہر دم ہم آبدیدہ
ضائع ہے جیب و دامن جوں جنسِ آب دیدہ (دیوان سوم،ص۶۴۱)

پہلا لفظ ’’آبدیدہ‘‘ مفرد ہے اور دوسرا آب+دیدہ مرکب۔

صنعتِ تجنیس مرفوء

صاحبِ کنز البلاغت مولوی حافظ سیّد جلال الدین احمد جعفری نے اسے کوئی علیحدہ صنعت نہیں سمجھا بلکہ صنعتِ مرکب کی ایک قسم قرار دیا ہے۔[۱۸] البتہ باقی سب نے اس صنعت کا علیحدہ ذکر کیا ہے۔ نجم الغنی لکھتے ہیں:

’’تجنیس مرفوء یہ ہے کہ ایک لفظ مفرد ہو اور دوسرا لفظ کسی دوسرے کلمے کے جز سے مرکب ہو بخلاف تجنیس مرکب کے کہ اس میں ایک لفظ مفرد ہوتا ہے اور دوسرا متجانس پورے دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے۔‘‘[۱۹]

صاحبِ حدائق البلاغت لکھتے ہیں:

’’کسی لفظ کا آخری لفظ کسی دوسرے لفظ کے جز سے مرکب ہو کر پہلے لفظ کا ہم جنس بن جائے تو اسے تجنیس مرفوء کہتے ہیں۔‘‘[۲۰]

مثال میں یہ شعر پیش کیا ہے۔

پروانہ ہیں تمہارے رُخِ شمع ساں پہ ہم
پروا نہیں ہے جان کے جانے کی بھی ہمیں

اس شعر کے مصرع اوّل میں ’’پروانہ‘‘ کا لفظ آیا ہے اور مصرع ثانی میں ’’پروا نہیں‘‘ کا لفظ آیا ہے۔ اگر پروا کو نہیں کے نون اور ہ سے مرکب کر دیا جائے تو پروانہ کا لفظ حاصل ہو کر پہلے لفظ پروانہ کا ہم جنس بن جائے گا۔ نجم الغنی نے جو مثالیں درج کی ہیں ان میں سے دبیرؔ کا شعر قدرے مناسب ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

غل تھا کہ اب مصالحتِ جسم و جاں نہیں
لو تیغ برق دم کا قدم درمیاں نہیں

لفظ برق کا ''قاف'' دم سے مل کہ قدم کا متجانس ہوا۔

کلامِ میرؔ میں صنعتِ تجنیس مرفوء کی مثالیں:

یاد ایامے کے اپنے روز و شب کی جائے باش
یا درِ بازِ بیاباں یا درِ مے خانہ تھا (دیوان اوّل، ص ۲۱۸)

دوسرے مصرعے کا لفظ ''یا'' در کے 'دٗ' سے مل کر لفظ یاد کا متجانس ہوا۔

کرتا ہے گرچہ یاروں سے وہ ٹیڑھی بانکی بات
پر کیا ہی دل کو لگتی ہے اس بدزباں کی بات (دیوانِ چہارم، ص ۶۸۲)

دوسرے مصرعہ میں زبان کی ''باں'' لفظ ''کی'' کے ساتھ مل کر لفظ بانکی کا متجانس ہو گیا۔

جانا کہ تن میں ہر جا نازک ہے اور دلکش
ہم رفتہ سراپا اس کے بجا ہوئے ہیں (دیوان ششم، ص ۸۴۴)

پہلے مصرعہ میں لفظ ''جا'' نازک کے ''نا'' سے مل کہ لفظ جانا کا متجانس ہوا۔

صنعتِ تجنیس خطی:

کلام میں دو ایسے الفاظ لانا جو بغیر رعایت نقاط کے مشابہ ہوں یعنی اگر حرفِ منقوطہ پر نقطے نہ ڈالے جائیں تو دونوں الفاظ ایک جیسے نظر آئیں۔

انشاءاللہ خان انشا لکھتے ہیں:

''جب بلالحاظ تلفظ و نقاط صرف حروف میں مساوات ہو جیسے مشکین اور مسکین، خط اور حظ، پاک اور باک۔[۲۱]

پروفیسر نذیر احمد نے تجنیس خطی کی مثال میں غالب کے جو اشعار درج کیے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

دیکھا اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بار ہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو (۲۲)

کلامِ میرؔ میں صنعتِ تجنیس خطی کی مثالیں:

پنجہ ہے مرا پنجۂ خورشید میں ہر صبح
میں شانہ صفت سایہ روِ زلفِ بتاں ہوں (دیوان اوّل، ص۲۹۶)

شانہ اور سایہ میں صنعت تجنیس خطی ہے۔

اس قدر جی میں ہے دغا اس کے
کہ دعا کریے تو دغا سمجھے (دیوان دوم، ص۵۵۴)

دغا اور دعا میں صنعت تجنیس خطی ہے۔

مجھ سا محنت کش محبت میں نہیں
ہر زماں کرتا رہا ہوں جاں کنی (دیوان پنجم، ص۷۹۷)

محنت اور محبت میں صنعت تجنیس خطی ہے۔

گلشن کے طائروں نے کیا بے مروتی کی
یک برگِ گل قفس میں ہم تک نہ کوئی لایا (دیوان ششم، ص۸۲۱)

یک اور تک میں صنعت تجنیس خطی ہے۔

صنعت تجنیس محرف:

کلام میں دو ایسے الفاظ لانا جو حروف، نوع اور ترتیب حروف میں یکساں ہوں لیکن حرکات وسکنات یعنی اعراب میں مختلف ہوں۔ نجم الغنی کے مطابق:

> ''تجنیس محرف یہ ہے کہ دونوں لفظ بہمہ وجوہ نوع اور عدد اور ترتیب حروف میں مشابہ ہوں لیکن ہیئت یعنی حرکات وسکنات میں مخالف واقع ہوں اور اِس کو بعض تجنیس ناقص بھی کہتے ہیں۔'' [۲۳]

مرزا محمد عسکری لکھتے ہیں:

> ''جب الفاظ متجانس بہمہ وجوہ یکساں ہوں اور فرق صرف حرکات میں ہو اس کو تجنیس محرف کہتے ہیں، جیسے شَیر وشِیر، مُشکِین ومَشکِین، سَن وسِن وغیرہ۔'' [۲۴]

پروفیسر نذیر احمد نے غالبؔ کے کلام سے صنعتِ تجنیس محرف کی جو مثالیں دی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبہ دل
اس پہ بَن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے
جو آؤں سامنے ان کے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں [۲۵]

کلامِ میرؔ میں صنعتِ تجنیس محرف کی مثالیں:

تعارف کیا رَہا اہلِ چمن سے
ہوئے اک عمر کے پیچھے رِہا ہم (دیوان اوّل، ص۲۷۹)

عیدیں آئیں بار ہا لیکن نہ وے آکر ملے
رہتے ہیں ان کے گلے لگنے کے برسوں سے گِلے (دیوان پنجم، ص۸۰۵)

کج اَبرو ان اطفال میں ہے عجب
جو میرؔ آبرو بھی تمہاری رہے (دیوان ششم، ص۸۶۱)

صنعتِ تجنیس زائدوناقص:

کلام میں دو متجانس الفاظ میں سے ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے ایک حرف کم یا زیادہ ہو تو یہ تجنیس زائد و ناقص کہلاتی ہے۔

صاحبِ حدائق البلاغت لکھتے ہیں:

''تجنس زائد و ناقص میں تعداد حروف میں اختلاف ہوتا ہے یعنی کسی لفظ میں حروف زائد ہوتا ہے اور کسی میں کم۔ اِس کی تین صورتیں ہیں، کبھی حرف لفظ کے شروع میں اور کبھی بیچ میں اور کبھی آخر میں زیادہ کرتے ہیں۔''[۲۶]

مرزا محمد عسکری لکھتے ہیں:

''جب الفاظ متجانس میں صرف ایک حرف کی کمی بیشی ہو خواہ وہ حرف لفظ کے شروع میں آئے یا وسط میں آئے یا آخر میں اس کو تجنیس زائد کہتے ہیں۔ جیسے بات ونبات، بال و وبال، شروشور، زروزور، پیان وپیمانہ، نام ونامہ وغیرہ۔''[۲۷]

مولوی نجم الغنی رامپوری نے تفصیل کے ساتھ اس صنعت کا جائزہ لیا ہے اور تینوں اقسام کی وافر مثالیں مہیا کردی ہیں۔ لکھتے ہیں:

''تجنیس زائد وناقص یعنی ایک لفظ متجانس میں دوسرے لفظ سے ایک حرف زیادہ ہو اور دوسرے میں کم، اِسی سبب سے اسے تجنیس زائد وناقص کہتے ہیں اور یہ تین حال سے خالی نہیں۔ یا اوّل میں کوئی حرف زیادہ یا کم ہوگا جیسے بات ونبات یا درمیان میں کمی یا بیشی ہوگی جیسے گل اور گال، دم اور دام یا آخر میں جیسے چاہ اور چاہا اور پیان اور پیانہ۔''[۲۸]

نجم الغنی نے صنعتِ تجنیس ناقص کی مثال میں جن اشعار کو درج کیا ہے وہ ان کی تصنیف میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ یہاں کلامِ میر ملاحظہ کیجئے:

کلامِ میرؔ میں صنعت تجنیس زائد وناقص کی مثالیں:

پہلی قسم کی مثالیں:

خدا کو کام تو سونپے ہیں میں نے سب لیکن
رہے ہے خوف مجھے واں کی بے نیازی کا (دیوان اوّل، ص۲۳۴)

ہر جا پھر اعتبار ہمارا اُڑا ہوا
تیری گلی میں لائی صبا تو بجا ہوا (دیوان پنجم، ص۷۴۰)

کاوش سے ان پلکوں کی رہتی ہے خلش سی جگر میں اَب
سیدھی نظر جو اس کی نہیں ہے یاس ہے اپنی نظر میں اب (دیوان پنجم، ص۷۵۰)

ہم گر جگر نکال رکھیں اس کے زیرِپا
بے دید کی ادھر سے نظر آشنا نہ ہو (دیوان ششم، ص۸۵۱)

دوسری قسم کی مثالیں:

نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی درد تھا یہی خستگی
اسے جب سے ذوقِ شکار تھا اسے زخم سے سروکار تھا (دیوان اوّل، ص۲۰۰)

دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھ طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کیا اچھی آنکھوں والوں کا (دیوان پنجم، ص۷۳۸)

ہے سر کے ساتھ مال و منال آدمی کا سب
جاتا رہے جو سر ہی تو سامان کیا رہے (دیوان ششم، ص۸۵۸)

تیسری قسم کی مثالیں:

اب کل نہیں ہے تجھ کو بے قتل غم کشوں کے
کہتے تو تھے کہ ظالم خوں ریزی سے نہ خو کر (دیوان پنجم،ص۷۶۲)

اہلِ چمن سے کیونکر اپنی ہو روشناسی
برسوں اسیر رہ کر اب ہم رہا ہوئے ہیں (دیوان ششم،ص۸۴۴)

صنعتِ تجنیس مذیل:

کلام میں دو لفظ لانا جن میں سے ایک کے آخر میں دو حروف زیادہ ہوں تجنیس مذیل کہلاتی ہے۔شرط یہ ہے کہ دو حروف کا اضافہ آخر میں ہی ہونا چاہیے، نہ پہلے نہ ہی درمیان میں۔تجنیس مذیل کے برعکس تجنیس زائد ناقص میں ایک حرف کی کمی بیشی تینوں صورتوں میں جائز سمجھی گئی ہے۔

صاحبِ حدائق البلاغت لکھتے ہیں:

''اگر کسی لفظ کے آخر میں دو حروف زائد کر دیئے جائیں تو اسے تجنیس مذیل کہتے ہیں مثلاً ''یم'' کے معنی دریا کے ہیں،لیکن اگم یم کے آخر میں دو حروف زائد کر دیں تو یمین بن جائے گا جس کے معنی قسم کے ہوں گے۔''[۲۹]

مرزا محمد عسکری لکھتے ہیں:

''جب الفاظ متجانس میں سے ایک لفظ کے آخر میں بجائے ایک کے دو حروف کی زیادتی ہو اس کو تجنیس مذیل کہتے ہیں۔جیسے قل و قلقل،نیم و نیمچہ وغیرہ۔[۳۰]

نجم الغنی لکھتے ہیں:

''تجنیس مذیل یعنی دو لفظ متجانس میں سے ایک لفظ کے آخر میں دو حروف کی زیادتی ہو جیسے مانگ اور مانگتی،ترس اور ترساتی،قل اور قلقل۔''[۳۱]

پروفیسر نذیر احمد نے غالبؔ کے کلام سے تجنیس مذیل کی مندرجہ ذیل جو مثالیں ڈھونڈی ہیں۔ان میں سے یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز
نا مہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں [۳۲]

کلامِ میر میں صنعتِ تجنیس مذیل کی مثالیں:

سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں تھی کیا کہیں
پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار ایک طرح (دیوان اوّل،ص۲۴۹)

بندہ ہے پھر کہاں کا جو صاحب ہو بے دماغ
اس سے خدائی پھرتی ہے جس سے خدا پھرا (دیوان دوم،۴۳۷)

میؔر کی عیاریاں معلوم لڑکوں کو نہیں
کرتے ہیں کیا کیا ادائیں اس کو سادہ سا سمجھ (دیوان سوم،ص۵۲۷)

دل جو اکتاتا ہے یا رب رہ نہیں سکتے کہیں
کیا کریں جاویں کہاں گھر میں رہیں باہر رہیں (دیوان پنجم،ص۶۱۷)

کچھ نہ میں سمجھا جنوں و عشق میں
دیر ناصح مجھ کو سمجھاتا رہا (دیوان چہارم،ص۶۷۴)

صنعتِ تجنیس مضارع:

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بدیع کے صنائع میں اضافہ ہوتا گیا۔ابتداء میں سترہ قسم کے صنائع مقرر کیے گئے تھے۔ بعد میں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا اور اب معروف اور غیر معروف، پسندیدہ اور ناپسندیدہ صنائع کی تعداد ایک سو سے بڑھ چکی ہے۔صنعتِ تجنیس مضارع بھی نسبتاً نئی صنعت ہے۔سید اظہر علی لکھتے ہیں:

''ماہرینِ فن کی موشگافی اور انشاء پردازوں کی جدت طرازی نے تجنیس کی اقسام میں دو قسموں کا مزید اضافہ کیا ہے ان میں سے ایک تجنیس مضارع ہے۔اس میں متجانس الفاظ کے حروف قریب المخرج ہوتے ہیں۔''[۳۳]

سجاد بیگ مرزا تجنیس مضارع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دونوں الفاظ کے حروف تو مختلف ہوں لیکن قریب المخارج ہوں جیسے ''عار اور حار''، ''بہر اور بحر۔''[۳۴]

نجم الغنی کے نزدیک:

''تجنیس مضارع یہ ہے کہ الفاظِ متجانس کے بعض حروف مختلف ہوں مگر شرط یہ ہے کہ ایک حرف سے زیادہ مختلف نہ ہو ورنہ دونوں لفظوں کے تشابہ میں بُعد واقع ہو جائے گا اور اس میں یہ شرط ہے کہ حروف مختلف متحد المخرج یا قریب المخرج ہوں۔''[۳۵]

آگے چل کر نجم الغنی نے مخرج اور کسی لفظ کا مخرج معلوم کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے۔لکھتے ہیں:

''اقصائے حلق سے کہ سینے کے نزدیک ہے۔ظاہر لب تک جہاں سے کوئی حرف نکلے اس جگہ کو مخرج اس حرف کا کہتے ہیں اور اس کے دریافت کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ جس حرف کا مخرج

معلوم کرنا ہو اس کو ساکن کر کے اور ایک الف متحرک سے ملا کر تلفظ کریں جس مقام سے آواز نکلے اس حرف کا وہی مخرج جانیں چنانچہ حلق سے ’ء ہ ا ع ح غ خ‘ نکلتے ہیں اور تالو سے ق اور ک نکلتے ہیں اور زبان کے سرے سے ص س ز نکلتے ہیں اور زبان کی نوک سے ظ ذ ث نکلتے اور میانہ زبان یعنی منہ کے اندر سے ج ش ی نکلتے ہیں اور مسوڑوں سے ل ن ر نکلتے ہیں اور منہ کے شکم اور تالو سے ط د ت نکلتے ہیں اور زبان کے کنارے سے ض نکلتا ہے اور ب م ف و ہونٹ سے نکلتے ہیں اور خلیل بن احمد کہتا ہے کہ حروفِ علت یعنی او ی سکون کی حالت میں ہوائی ہیں یعنی ہوائے دہن سے پیدا ہوتے ہیں مخرج نہیں رکھتے اور پ چ گ حروف فارسی کے مخرج وہی مخرج ب ج ک حروفِ عربی ہیں مگر ان کے تلفظ میں اندک ثقالت ہے اور ژ کہ فارسی کا حرف ہے۔ شین منقوطہ کے مخرج سے نکلتا ہے لیکن اس کے تلفظ سے زبان کسی قدر ثقیل ہو جاتی ہے اور ٹ ڈ ڑ سے بھی زیادہ ثقیل ہیں۔‘‘[۳۶]

دیبی پرشاد نے تجنیس مضارع کی مثال میں انشاء کا یہ شعر نقل کیا ہے:

اقرب سمجھ کے اپنے سے وہ جائے یوہیں پس
عقرب کے نیش پر بھی جو رکھّے حمل قدم [۳۷]

پروفیسر نذیر احمد نے غالب کے کلام سے تجنیس مضارع کی مندرجہ ذیل مثالیں درج کی ہیں:

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
ننگِ سجدہ سے میرے سنگ آستاں اپنا

پروفیسر صاحب نے دیگر اشعار کے ساتھ غالب کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے اور ننگ اور سنگ میں تجنیس مضارع کی نشاندہی کی ہے جیسا کہ اوپر علمائے بدیع کی تعریفات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ دو متجانس الفاظ کو متحد المخرج ہونا چاہیے تبھی وہ تجنیس مضارع کہلائے گی۔ بصورتِ دیگر تجنیس لاحق قرار دی جائے گی۔ مذکورہ شعر میں ن اور س متحد المخرج نہیں۔ ن مسوڑھوں سے نکلتا ہے جبکہ س زبان کی نوک سے ادا ہوتا ہے۔

اب مہر میں اور برق میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں اس رو سے کہو برق نہیں ہے [۳۸]

کلامِ میر میں صنعتِ تجنیس مضارع کی مثالیں:

کیا قدر تھی سخن کی جب یاں بھی صحبتیں تھیں
ہر بات جائزہ ہے ہر بیت پر صلے ہیں (دیوان دوم، ص ۵۱۰)

بات اور بیت میں تجنیس مضارع ہے۔

مستغنی کس قدر ہیں فقیروں کے حال سے
یاں بارِ غم سے خم ہوئے واں بھوئیں خم نہیں (دیوان پنجم، ص۷۸۴)

خم اور غم میں تجنیس مضارع ہے۔

ہوا رنگ بدلے ہے ہر آن میؔر
زمین و زماں ہر زماں اور ہے (دیوان ششم، ص۸۵۶)

زمین اور زماں میں تجنیس مضارع ہے۔

صنعتِ تجنیس لاحق:

صنعتِ تجنیس لاحق بھی تجنیس مضارع کی طرح دو متجانس الفاظ میں صرف ایک حرف کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔شرط صرف اتنی ہے کہ وہ حرف متحد المخرج یا قریب المخرج نہ ہو۔

صاحبِ حدائق البلاغت لکھتے ہیں:

''لاحق کے لغوی معنی ملنے کے ہیں۔اس میں بھی تجنیس مضارع کی طرح الفاظ تین جگہ تبدیل کیے جاتے ہیں لیکن تجنیس مضارع میں الفاظ قریب المخرج ہوتے ہیں اور تجنیس لاحق میں آواز بدل جاتی ہے۔مثلاً درد اور زرد، زخم اور ہضم، دوسری تبدیلی یہ ہے جیسے عمر اور عسر وغیرہ۔تیسری تبدیلی یہ ہے کہ آخری لفظ بدلا جائے مثلاً رام اور مار، شراب اور شرار، شاد اور شاہ وغیرہ۔''[۳۹]

نجم الغنی لکھتے ہیں:

''تجنیس لاحق یہ ہے کہ الفاظ متجانس کے بعض حروف میں اختلاف ہو مگر یہاں بھی شرط یہ ہے کہ ایک حرف سے زیادہ مختلف نہ ہو ورنہ دونوں لفظوں کے تشابہ میں بُعد واقع ہو جائے گا۔''[۴۰]

دیبی پرشاد نے تجنیس لاحق کی مثال میں امانتؔ لکھنوی کا یہ شعر درج کیا ہے۔

جان نا ساز ہو وہ نغمۂ خوش ناز ہے یہ
دل مضطر کو سدا سوز ہو وہ ساز ہے یہ [۴۱]

کلامِ میؔر سے صنعتِ تجنیس لاحق کی مثالیں:

پہلی قسم کی مثال:

شیخی کا اب کمال ہے کچھ اور
حال ہے اور قال ہے کچھ اور (دیوان اول، ص۲۵۸)

پھرتا ہے کیا تو میرؔ گلستاں میں غمزدہ
کچھ دل خراش لکھ بھی قلم اک تراش کر (دیوان چہارم، ص۶۸۹)

ہم سے سلجھے نہ اُس کے الجھے بال
جان کو اپنی پیچ و تاب رہا (دیوان ششم، ص۸۱۹)

دوسری قسم کی مثالیں:

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا (دیوان دوم، ص۴۱۹)

جب دور گیا قافلہ تب چشم ہوئی باز
کیا پوچھتے ہو دیر خبردار ہوا میں (دیوان سوم، ص۶۲۳)

ہم زرد کاہ خشک سے نکلے ہیں خاک سے
بالیدگی نہ خلق ہوئی اس نمو کے ساتھ (دیوان پنجم، ص۷۹۳)

تیسری قسم کی مثال:

آنکھیں دوڑیں خلق جا اودھر گری
اُٹھ گیا پردہ کہاں اودھم ہوا (دیوان سوم، ص۵۸۲)

اپنا لکھا ہے یاد مجھے میری بات بھول
قاصد نے جا کے یار سے کچھ اور ہی کہی (دیوان پنجم، ص۷۹۸)

کن نے کہا کہ مجھ سے بہت کم ملا کرو
منت بھی میں کروں تو نہ ہرگز منا کرو (دیوان ششم، ص۸۴۸)

مذکورہ سطور میں صنعتِ تجنیس کی صرف دس معروف اقسام سے بحث اور مثالیں فراہم کی گئی ہیں۔ دیگر غیر معروف اور غیر دلچسپ اقسام سے حرفِ نظر کی گئی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ ہم اِس مضمون میں یہ حقیقت ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے ہوں گے کہ صنائع کے استعمال سے شعر کا رتبہ کم نہیں ہوتا بلکہ اکثر اس کے مرتبے میں اضافہ ہوتا ہے، کم مرتبہ شاعر صنائع کو برائے صنائع استعمال کر کے اِس ہنر کو عیب بنا دیتے ہیں اور یہ کہ اگر میرؔ ایسے اساتذہ کے دواوین سے محنت کر کے صنائع کی تازہ اور عمدہ مثالیں فراہم کی جاتیں تو صنائع بدائع کے بارے میں موجودعہد جدید کے قارئین کے بہت سے تعصّبات تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ایم۔ کے فاطمی: ''تذکرۂ میر''، مکتبۂ دین وادب، کچا احاطہ لکھنؤ، ۱۹۶۲ء، ص ۱۹۸
۲۔ نذیر احمد، پروفیسر: ''محاسنِ الفاظِ غالب''، کتابیات، لاہور، مئی ۱۹۶۹ء، ص ۵۷
۳۔ نارنگ، گوپی چند: ''اسلوبیاتِ میرؔ''، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۳۸
۴۔ ندوی، عبدالسلام: ''شعرالہند''، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۸
۵۔ خدیجہ شجاعت علی (مترجم): ''حدائق البلاغت''، مکتبہ جدید پریس، لاہور، باردوم، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰۷
۶۔ نجمی، نجم الغنی: ''بحرالفصاحت''، نول کشور لکھنؤ، ۱۹۲۶ء، ص ۸۹۴
۷۔ ایضاً
۸۔ ایضاً ص ۸۹۷
۹۔ سجاد مرزا بیگ: ''تسہیل البلاغت'' صوفی پبلشرز، دہلی، ص ۱۸۱
۱۰۔ سحر، دیبی پرشاد: ''معیارالبلاغت''، نول کشور لکھنؤ، ۱۹۴۶ء، ص ۵۸
۱۱۔ فاروقی، شمس الرحمٰن (مرتبہ): ''درسِ بلاغت'' ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۶۰
۱۲۔ نجمی، نجم الغنی: 'بحرالفصاحت'، ص ۸۹۷-۸۹۸
۱۳۔ خدیجہ شجاعت علی (مترجم): ''حدائق البلاغت''، ص ۱۰۸
۱۴۔ ایضاً
۱۵۔ نجمی، نجم الغنی: 'بحرالفصاحت'، ص ۸۹۷
۱۶۔ سحر، دیبی پرشاد: ''معیارالبلاغت''، ص ۵۸
۱۷۔ نجمی، نجم الغنی: 'بحرالفصاحت'، ص ۸۹۸
۱۸۔ جعفری، سید جلال الدین احمد: ''کنزالبلاغت''، مطبع احمدی واقع الہ آباد، گردید، دفعہ اوّل، ص ۲۰۸
۱۹۔ نجمی، نجم الغنی: 'بحرالفصاحت'، ص ۹۰۰
۲۰۔ خدیجہ شجاعت علی (مترجم): ''حدائق البلاغت''، ص ۱۰۸
۲۱۔ انشاء، انشاءاللہ خاں: ''دریائے لطافت''، انجمن ترقی اردو، کراچی، اشاعت دوم، ۱۹۸۸ء، ص ۳۸۴
۲۲۔ نذیر احمد، پروفیسر: ''محاسنِ الفاظِ غالب''، ص
۲۳۔ نجمی، نجم الغنی: 'بحرالفصاحت'، ص ۹۰۲
۲۴۔ عسکری، مرزا محمد: ''آئینہ بلاغت''، اُتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، اوّل ۱۹۸۴ء، ص ۵۱
۲۵۔ نذیر احمد، پروفیسر: ''محاسنِ الفاظِ غالب''، ص ۱۰۴
۲۶۔ خدیجہ شجاعت علی (مترجم): ''حدائق البلاغت''، ص ۱۰۹

۲۷۔ عسکری، مرزا محمد: ''آئینہ بلاغت''، ص۵۱

۲۸۔ نجمی، نجم الغنی: 'بحر الفصاحت'، ص۹۰۳

۲۹۔ خدیجہ شجاعت علی (مترجم): ''حدائق البلاغت''، ص۱۰۰

۳۰۔ عسکری، مرزا محمد: ''آئینہ بلاغت''، ص۵۲

۳۱۔ نجمی، نجم الغنی: 'بحر الفصاحت'، ص۹۰۶

۳۲۔ نذیر احمد، پروفیسر: ''محاسنِ الفاظِ غالب''، ص۱۰۷

۳۳۔ اظہر علی: ''المختصر''، جید برقی پریس بلیماراں، دہلی، سن ندارد، ص۴۴

۳۴۔ سجاد مرزا بیگ: ''تسہیل البلاغت'' صوفی پبلشرز، دہلی، ص۱۸۴

۳۵۔ نجمی، نجم الغنی: 'بحر الفصاحت'، ص۹۰۸

۳۶۔ ایضاً ص۹۱۰

۳۷۔ سحر، دیبی پرشاد: ''معیار البلاغت''، ص۵۹

۳۸۔ نذیر احمد، پروفیسر: ''محاسنِ الفاظِ غالب''، ص۱۰۷

۳۹۔ خدیجہ شجاعت علی (مترجم): ''حدائق البلاغت''، ص۱۱۰

۴۰۔ نجمی، نجم الغنی: 'بحر الفصاحت'، ص۹۱۰

۴۱۔ سحر، دیبی پرشاد: ''معیار البلاغت''، ص۵۹

کلیات

کلیاتِ میرؔ (مرتبہ) ظلِ عباس عباسی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، دہلی، دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۳ء